ڈاکٹر علیم عثمانی

دیوار

ہے مجھکو ترکِ تعلق سے اتفاق مگر
دلوں کے بیچ میں دیوار ہو تو در بھی رہے

ڈاکٹر علیم عثمانی

نام کتاب	دیوار
مصنف	ڈاکٹر علیم عثمانی
ناشر	مصنف
اشاعت	نومبر ۱۹۹۵ء
تعداد	۱۰۰۰
کتابت	محمد ہاشم قاسمی
طباعت	پارکیہ آفسٹ ندوہ روڈ لکھنؤ
قیمت	۶۰ روپے

پتہ

بارگاہِ فن۔ کرسی۔ بارہ بنکی۔ ۲۲۵۳۰۲

انتساب

اپنی شریکِ حیات
سعیدہ خاتون
کے نام
جن کی رفاقت نے
مجھے شاعر بنا دیا

دلاور

زحمتِ یک لمحہ

محترم قارئینِ کرام! میرا پہلا شعری مجموعہ "دیوار" آپ کے سامنے ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ میں آپ کو نہ تو اپنی سوانح حیات سنا کر بور کروں گا اور نہ اپنی ذاتی زندگی کے سرد و گرم کی تشریحات میں آپ کا وقت برباد کروں گا۔ مجھے مختصر الفاظ میں صرف دو ایک باتیں آپ سے عرض کرنی ہیں وہ یہ کہ مجھے اوائل عمری سے شعر سُننے شعر پڑھنے اور شعر کہنے کا شوق رہا اور میں اپنے اشعار اپنے کرمفرماؤں اور مُخلصوں کے درمیان سُناتا رہا۔ لوگ میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ لیکن میں نے کبھی خواب و خیال میں بھی یہ تمنا نہیں کی کہ میرا شمار باقاعدہ صفِ شعراء میں ہو۔ یا میں اپنی شاعری کو درجۂ کمال تک پہونچا کر اپنے فن کا لوہا اہلِ ذوق سے منواؤں۔ میرے بعض انتہائی مخلص احباب جو آج اِس دنیا میں نہیں ہیں مثلاً جنابِ حیاتؔ وارثی،

جناب صائم سیدن پوری، جناب کشفی لکھنوی، جناب بادل سلطانجری
جناب چودھری رضی عثمانی دیوہ شریف اور جناب عنبر شاہ وارثی
کراچی پاکستان وغیرہ کی دلی خواہش رہی کہ میرا مجموعۂ
کلام شائع ہو۔ اور اپنے موجودہ مخلصوں مثلاً جناب حفیظ
سلانی۔ جناب اختر موہانی، جناب ہنومان پرشاد عاجز
ماتوی، جناب مولانا نذیر احمد ندوی، جناب حسن مہدی ایڈوکیٹ
اور جناب نذر الدین پردھان قصبہ کرسی وغیرہ وغیرہ
کے محبت بھرے تقاضوں سے مجبور ہونے کے بعد اس مجموعہ
کی اشاعت میرے لئے ناگزیر ہوگئی۔

چونکہ باقاعدہ شاعر بننے کا میرا کوئی پروگرام نہیں تھا۔
اس لئے میں نے کسی بزرگ سے کبھی شرف تلمذ بھی حاصل
نہیں کیا۔ میرے اس مجموعہ میں اُن سرکردہ اور نامور شخصیتوں
کی کوئی تقریظ شامل نہیں ہے جن کی تحریروں سے معمولی
شعری مجموعوں کا معیار بلند ہو جایا کرتا ہے۔

دلدار

اِس کتاب کی ترتیب و تدوین واشاعت کے سلسلے میں جن لوگوں نے میری مدد کی وہ جناب قمر ٹکیٹ گنجوی، جناب اطفر سلطانپوری۔ جناب مولنا نذیر احمد ندوی اور بالخصوص جناب عاجز ماتوی ہیں جنکا نیز تمام اہل محبت کا میں شکر گذار ہوں۔

اب میرا یہ مجموعۂ کلام قارئین کے میزانِ نظر پر ہے۔ اگر کسی کو میرا کوئی ایک شعر بھی پسند آجائے، تو یہ میری کامیابی کا ثبوت ہوگا۔

خاکپائے اہلِ سخن
(ڈاکٹر) علیم عثمانی

بارگاہِ فن۔ کرسی۔ بارہ بنکی۔ ۲۲۵۳۰۲
۱۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء

دیوار

ترتیب

حمدِ باری تعالیٰ

خالقِ کُل ہے تُو، سب ہیں منظر ترے
دشت و کہسار تیرے، سمندر ترے
چاند سورج ترے، نجم و اختر ترے
کتنے جلوے برستے ہیں ہم پر ترے
رند کی تشنہ کامی بھی بخشی تری
حُکم توبہ ترا، جام و ساغر ترے
اُن کے صدقے میں یا رب مجھے بخش دے
جو ہیں سب سے چہیتے پیمبر ترے
حمد لکھے کہاں تک علیمِ حزیں
کتنے احساں ہیں اُس کے قلم پر ترے

نعتِ شہِ لولاکؐ

خاتم المرسلیں کون ہے؟ آپؐ ہیں
رحمۃ اللعالمیں کون ہے؟ آپؐ ہیں
دلربا، دلنشیں کون ہے؟ آپؐ ہیں
انتہائی حسیں کون ہے؟ آپؐ ہیں
آپ کی راہ میں جان جائے تو کیا
جانِ جاں آفریں کون ہے؟ آپؐ ہیں
فرش سے عرش تک، تاجدارِ لا الٰہ
ہر جگہ، ہر کہیں، کون ہے؟ آپؐ ہیں
اب علیم اپنا غم اور کس سے کہے
اُس کا کوئی نہیں، کون ہے؟ آپؐ ہیں

قطرے چھلک گئے جو اُن آنکھوں کے جام سے
موسوم ہو گئے وہ ستاروں کے نام سے

بے اعتبار وعدۂ فردا کی بات ہے
سورج کی منتظر مری آنکھیں ہیں شام سے

معصومیت پر آپ کی یہ سوچتا ہوں میں
مشہور آپ کیوں ہیں ستمگر کے نام سے

وہ خوب جانتے ہیں نشیب و فرازِ عشق
اترے بذاتِ خود جو نگاہوں کے بام سے

یہ جنبشِ نقاب یہ سب بے احتیاطیاں
کیا بچ سکیں گے آپ نگاہِ عوام سے؟

وہ ماہتاب جیسی جبیں پھول سا وہ ہاتھ
کیوں چوٹ لگ گئی مجھے اس کے سلام سے

اب خونِ دل سے کون لکھے گا غزل علیم
زندہ ہے طرزِ میر تمہارے کلام سے

جس دن سے اُٹھ کے ہم تری محفل سے آئے ہیں
لگتا ہے لاکھوں کوس کی منزل سے آئے ہیں

مل کر گلے ہم اپنے ہی قاتل سے آئے ہیں
کیا صاف بچ کے موت کی منزل سے آئے ہیں

راہیں ہیں عاشقی کی نہایت ہی پُر خطر
تیرے حضور ہم بڑی مشکل سے آئے ہیں

زُلفوں کے پیچ و خم میں پڑیں ہم تو کیا پڑیں
ہم تنگ خود ہی اپنے مسائل سے آئے ہیں

بزمِ بتاں میں شیخ سکوں کے خیال سے
دامن چھڑا کے ذکر و نوافل سے آئے ہیں

یہ حق پرستیاں مری مرہونِ کفر ہیں
یہ دن تو فیضِ صحبتِ باطل سے آئے ہیں

کچھ وحشیوں پہ رنگ بہاروں سے تھے علیم
کچھ اہتمامِ طوق و سلاسل سے آئے ہیں

۳

مشرباً ہم محبت کے درویش ہیں کب سے زلفوں کے جنگل میں رہتے ہیں ہم
عارضوں کی تجلی سے سرشار ہیں پاک مانگوں کے صندل میں رہتے ہیں ہم

ہم سے بیزار ہستی کی ہیں بیتابیاں، ہم تو تقسیم کرتے ہیں مدہوشیاں
گہری جھیلوں کو ہم بخشتے ہیں کنول مست آنکھوں کے کاجل میں رہتے ہیں ہم

یاس کے نام سے سخت بیزار ہیں ہم اداسی کی گردن پہ تلوار ہیں
شغل ہے آرزو کی چمن بندیاں ہر تمنا کی کونپل میں رہتے ہیں ہم

کارفرما ہمیں دل کے رشتوں میں ہیں جلوہ فرما ہیں ماں کے اشکوں میں ہیں
وہ دوپٹے جو پھیلیں دعا کیلئے ان دوپٹوں کے آنچل میں رہتے ہیں ہم

اے علیمؔ آپ ڈھونڈیں نہ ہمکو یہاں ان حریصوں کے بازار میں ہم کہاں
وہ جو باغِ قناعت ہے چلئے وہاں صبر کی شاخ کے پھل میں رہتے ہیں ہم

وقتِ آخر جو بالیں پر آجائیو
یاد رکھیو بہت نیکیاں پائیو

میرے لائق جو ہو مجھکو بتلائیو
جان حاضر ہے کچھ اور فرمائیو

ایک ڈر مجھکو عرضِ تمنا میں ہے
تم پسینے پسینے نہ ہو جائیو

ہم دعا امن کی مانگتے ہیں مگر
آپ بھی اپنی پائل کو سمجھائیو

ہم کو بھی کچھ لکیروں کی پہچان ہے
آپ اپنی ہتھیلی ادھر لائیو

حال دل ہم سناتے ہیں ہنستے ہو تم
ہم نہیں لیتے تم سے اب جائیو

میر کے رنگ میں لکھ کے غزلیں علیم
دھیرے دھیرے نہ تم میر بن جائیو

تنقید جائزے بصیرتِ افکار کے لئے
تشبیہہ مل سکی نہ رُخِ یار کے لئے

کیا کر رہے ہو رُخ پہ گراتے ہو کیوں نقاب
پردہ کہاں ہے مطلعِ انوار کے لئے

یوسف کا جب کہ نام بھی بازار میں نہیں
اب کون زحمتیں ہیں خریدار کے لئے

ابرو پہ ہیں جبیں کے پسینے کی بارشیں
پانی کا اہتمام ہے تلوار کے لئے

ہم دورِ حاضرہ کے لئے کیا لکھیں عؔلیم
ہم تو ہیں وقف گیسو و رخسار کے لئے

۶

کچھ طلب اپنے مقدر سے سوا مت کرنا
میرے ملنے کی نمازوں میں دعا مت کرنا

درد ہی اصل میں عرفانِ محبت کا ہے نام
درد جو دل میں ہے تم اس کی دوا مت کرنا

خار لگتے ہی لگیں تم کو گلستاں کے گلاب
لال پھولوں کی مگر ترک قبا مت کرنا

اپنے آنچل کا تمھیں ٹھیک سے رکھنا ہے خیال
تم زمانے کی ہواؤں کا کہا مت کرنا

دھمکیاں دیں گے خدایانِ زمانہ اے علیمؔ
تم مگر خم سرِ تسلیم و رضا مت کرنا

اب تو بھونروں کی ہے نیت پہ چمن کی قیمت
پھول جب بھول گئے اپنے بدن کی قیمت

انجمن میری سلامت میں ادا کر دوں گا
زلفِ خم دار کی اک ایک شکن کی قیمت

صحنِ گلشن میں ملامت کا نشانہ ہے بہار
میرے اللہ یہ چوٹی کی دلہن کی قیمت

روشنی سے جو ہیں محروم مہ و انجم کی
اُن سے پوچھو کسی دُھندلی سی کرن کی قیمت

خلوت زخم کا جن جن کو شرف حاصل ہے
وہ بتا سکتے ہیں پھولوں کے کفن کی قیمت

قُفل ہونٹوں پہ لگا لیجئے دو پل کے لئے
بس ادا خونِ شہیدانِ وطن کی قیمت

سر کٹانے میں مجھے کیوں ہو تامل اے علیم
سر جدا ہونے سے بڑھ جاتی ہے تن کی قیمت

۸

دل مرادرد کی راجدھانی رہا
میرا چہرہ مگر ارغوانی رہا

میرے ساغر میں اک قطرۂ مے نہیں
بادہ خانے کا میں جب کہ بانی رہا

آب چہرے پہ جس کے رہی چار دن
عمر بھر اس کو نازِ جوانی رہا

کتنے الزام مجھ پر لگے ہیں مگر
دودھ کا دودھ پانی کا پانی رہا

وہ قیامت سے قطعاً ڈرے گا نہیں
گردِ جس کے ہجومِ جوانی رہا

آپ خود سوچیے، عشق اور حُسن میں
کون باقی رہا کون فانی رہا

میرا ہر شعر اس کے لئے ہے علیمؔ
وہ جو میرے قلم کی روانی رہا

۹

بادہ خانے کی روایت کو نبھانا چاہیئے
جام اگر خالی بھی ہو گردش میں آنا چاہیئے

آج آنا ہے انھیں لیکن نہ آنا چاہیئے
وعدہ فردا اصولاً بھول جانا چاہیئے

ترک کرنا چاہیئے ہرگز نہ رسمِ انتظار
منتظر کو عمر بھر شمعیں جلانا چاہیئے

جذب کر لیتے ہیں اچھی صورتوں کو آئینے
آئینوں سے کیا تمھیں آنکھیں ملانا چاہیئے؟

میرے اُس کے بیچ جو حالات کی دیوار ہے
مجھ کو اُس دیوار میں اک در بنانا چاہیئے

پھر کرم آگیں تبسم میں ہے پوشیدہ ستم
ہوش مندوں کو پہیلی بوجھ جانا چاہیئے

گردشِ حالات سے مایوس ہونا کفر ہے
عمر بھر انساں کو قسمت آزمانا چاہیئے

میری غزلیں ہوں گی کل نامحرموں کے درمیاں
اس کی خوشبو میری غزلوں میں نہ آنا چاہیئے

ہم تو قائل ہی نہیں محدودِ اُلفت کے علیم
ہم کو اُلفت کے لیئے سارا زمانہ چاہیئے

تم کو سننا عذر ہی تم پیار پہ تیار نہیں
میرے جذبات کے آگے کوئی دیوار نہیں

کیوں نہ ہم ختم کریں سلسلۂ ذکر وفا
جب کہ ہم دونوں میں کوئی بھی وفادار نہیں

کتنا پابند ہے پردے کی روایت کا تو
میری تقدیر میں شاید ترا دیدار نہیں

اب تو بیکار ہیں دزدیدہ نگاہوں کے سلام
جب تمناؤں کی پازیب میں جھنکار نہیں

بے جھجک آپ کے جو دل میں ہو کہہ دیں مجھ سے
آپ سے مجھ کو کسی بات میں انکار نہیں

مری رسوائی میں ہے آپ کی بھی رسوائی
میں جو مجرم ہوں تو کیا آپ گنہگار نہیں

گردشِ وقت مجھے لائی ہے اس منزل پر
اب تو دل میرا تمہارا بھی طلبگار نہیں

اصل میں ذوقِ نظارہ کی کمی ہے ورنہ
کون سا پھول ہے جو آپ کا رخسار نہیں

دردِ دل لکھنے پہ قدرت مجھے حاصل ہے علیمؔ
میں جو تم کو نہ رلا دوں تو قلمکار نہیں

Internet Edition, 2015.

۱۱

بغیر تیغ اٹھائے گذر نہیں ہو گا
یہ دَور وہ ہے قلم کارگر نہیں ہو گا

کوئی دباؤ اگر رات پر نہیں ہو گا
تو پھر سوالِ طلوعِ سحر نہیں ہو گا

نقاب جس نے اٹھائی ہے ذمہ دار ہے خود
گناہ خلق پہ اک ذرہ بھر نہیں ہو گا

یہ تجربہ ہے مرا تتلیوں کو کیا معلوم
سکون پھول کا منہ چوم کر نہیں ہو گا

دعائیں آپ نہ مانگیں مرے سکوں کے لیے
میں کیا کروں گا جو دردِ جگر نہیں ہوگا

غزل سناؤں گا لیکن مجھے یہ بتلاؤ
تمھارا ریشمی آنچل تو تر نہیں ہوگا

قسم نہ اُس کی طرف دیکھنے کی کیا کھاؤں
میں سوچتا ہوں وہ آخر کدھر نہیں ہوگا

نصابِ چہروں کا جس نے نہیں پڑھا وہ کبھی
بہ اعتبارِ نظر معتبر نہیں ہوگا

ہمیں سلیقۂ اخفائے درد ہے اے علیم
ہمارا درد کبھی مُشتہر نہیں ہوگا

آپ کے وعدۂ فردا کو دعا دیتے ہیں
اور ہم شام کو اک شمع جلا دیتے ہیں

ہم تو ظاہر ہے ہمیشہ سے رہے سادہ مزاج
دل میں جو بات بھی ہوتی ہے بتا دیتے ہیں

اپنے قاتل کا جہاں نام بتانے میں چلا
لوگ چپکے سے مرا پاؤں دبا دیتے ہیں

شیخ کا ربط بہت بڑھ گیا مسجد سے مگر
اب بھی بت خانے کی زنجیر ہلا دیتے ہیں

ہم کوئی شاہ جہانوں میں نہیں ہیں لیکن
پیار کا تاج محل ہم بھی بنا دیتے ہیں

تشنہ کامی میں ہمیں رہتا ہے پیاسوں کا خیال
شیخ کے نام کی تھوڑی سی گرا دیتے ہیں

اُس کی توصیف جوانی میں غزل پڑھ کے علیمؔ
آج بھی بزم میں ہم حشر اُٹھا دیتے ہیں

اُترے گی نہ کیسے تری تصویر غزل میں
بلقیس کو آنا ہے سلیماں کے محل میں

دیدار کے پیاسوں کو پتہ ہی نہیں شاید
اک چیز تصور ہے نظارے کے بدل میں

اُن عقل کے ماروں پہ ہنسی آتی ہے مجھ کو
جو ڈھونڈتے پھرتے ہیں تجھے دشت و جبل میں

ہے تجربہ کچھ اور روایات ہیں کچھ اور
ہم کو نہ ملا کوئی مزہ صبر کے پھل میں

ہم اہلِ قلم امن پسندوں میں ہیں ورنہ
تلوار سے کیا کم ہے قلم جنگ و جدل میں

ان آنکھوں کے کاجل کو بہائیں گے کہاں تک
اب آپ بھی آجائیے میدانِ عمل میں

حالات کو الزام علیکم آپ نہ دیجیے
حالات کا کیا دخل ہے اس زلف کے بل میں

کسی دن میرے گھر وہ مہرباں آیا تو کیا ہوگا
مرے آنگن میں جنت کا سماں آیا تو کیا ہوگا

نہ اتنا ناز کر اے راہبر منزل شناسی پر
بھٹکنے کی جو ضد پر کارواں آیا تو کیا ہوگا

حریم ناز میں جاتے ہوئے اک فکر ہے مجھکو
پلٹ کر میں کہیں جو شادماں آیا تو کیا ہوگا

لپکتی ہے تجلّی روح میں جس کے تصوّر سے
نظر کے سامنے وہ آستاں آیا تو کیا ہوگا

مرے احباب سوکھی کھیتیوں پر شعر لکھتے ہیں
اگر موضوعِ رخسارِ بتاں آیا تو کیا ہوگا

بھری برسات، کچا گھر، نہ شیشہ ہے نہ پیمانہ
علیمؔ ایسے میں وہ میرے یہاں آیا تو کیا ہوگا

۱۵

جب جب بھی وہ کلائی میں کنگن گھمائیں گے
گردش کے دن ضرور ہمیں یاد آئیں گے

وہ بد دعا کے پھول جو اس سمت آئیں گے
ہم ان سے اپنے غم کی بہشتیں سجائیں گے

پلکیں جھپک رہی ہیں جنھیں دیکھ دیکھ کر
آنکھوں کی ایک روز وہ نیندیں چرائیں گے

تازہ رہے گی رات کے زخموں کی یہ مہک
بالوں میں لوگ پھول ہمیشہ لگائیں گے

کہدوں میں دل کی بات مگر ایک شرط ہے
وعدہ کرو کہ نم کو پسینے نہ آئیں گے

تو بہ کشوں کی فہم و فراست تو دیکھئے
لگتا ہے جیسے اب کبھی بادل نہ چھائیں گے

مت پوچھئے عزیز ہیں کیوں ہمکو غم عسلیم
یہ فلسفے کسی کی سمجھ میں نہ آئیں گے

اپنی تابِ بقا دیکھتے جائیے
روز و شب حادثہ دیکھتے جائیے

چاک گُل کی قبا دیکھتے جائیے
زندگی کی ادا دیکھتے جائیے

توبہ کرلیں گے جواب وہ پچھتائیں گے
اُٹھ رہی ہے گھٹا دیکھتے جائیے

نیند پلکوں سے ہے بیر باندھے ہوئے
دوستی کا مزہ دیکھتے جایئے

آپ دیکھیں گے خود وقت کی گردشیں
مستقل آئینا دیکھتے جایئے

جلد ہی آنے والے ہیں پرسش کے دن
اپنی اپنی خطا دیکھتے جایئے

وہ نہ آئیں علیمؔ آپ کا فرض ہے
عمر بھر راستا دیکھتے جایئے

میں نقش ہائے خونِ وفا چھوڑ جاؤں گا
یعنی جوازِ رنگِ حنا چھوڑ جاؤں گا

تو آنے والے کل کے لئے کیوں ہے فکرمند
تیرے لئے میں اپنی دعا چھوڑ جاؤں گا

تیرے خلاف کوئی نہ کھولے کبھی زباں
تیری نگاہ میں وہ نشہ چھوڑ جاؤں گا

آ جائے گا شوق سے بے چین جب ہو دل
دروازہ اپنے گھر کا کھلا چھوڑ جاؤں گا

رخسار و لب کی تیزی نہ کم ہوں گی رونقیں
ہر غزل میں ذکر ترا چھوڑ جاؤں گا

آئینے دے سکیں گے نہ تجھ کو کبھی فریب
تیری جبیں پہ تیرا پتہ چھوڑ جاؤں گا

اک خاص پیچ چھوڑوں گا سب کے لئے علیم
پہلے سے کیوں بتاؤں کہ کیا چھوڑ جاؤں گا

نظریں ملیں تو زیست کے نقشے بدل گئے
پلکیں جھپک نہ پائیں کئی دور چل گئے

تا زندگی چلے ہیں سلامت روی سے ہم
پروانے جلد باز تھے جلدی سے جل گئے

اُن کو تمہارے شہر کے پتھر نہ چھو سکے
جو اہلِ عشق دشت کی جانب نکل گئے

اس میکدے میں تم نے جو تقسیم کی شراب
ساغر اسی شراب کے دنیا میں چل گئے

واعظ کے ہم ذرا بھی رہین کرم نہیں
ساقی نے جب سنبھالا ہمیں ہم سنبھل گئے

وہ سرمۂ بصیرت اہل چمن ——— بنے
جو گل تمہارے پاؤں کے نیچے مسل گئے

خود ہم نے اُن کی بزم میں دیکھا ہے یہ علیم
اکثر رقیب لے کے ہماری غزل گئے

(۱۹)

موڑ سارے تیری گلیوں کے اُٹھا نے میرے
کوچے کوچے ہیں ترے شہر کے چھانے میرے

ہوش گُم کر دیے گلشن کی ہوا نے میرے
لگ گئے جیب و گریباں بھی ٹھکانے میرے

شکر ہے اب تو میں محتاجِ تعارف بھی نہیں
روز اخبار میں چھپتے ہیں فسانے میرے

جس کے قدموں کو ہے فتنوں کے جگانے کا شعور
اس کی پازیب پہ لکھے ہیں ترانے میرے

بوجھ تو ڈال نہ اب اور کرم کا مجھ پر
دُکھ رہے ہیں ترے احسان سے شانے میرے

واعظوں پر نہ خبردار کوئی طنز کرے
ہیں بہی خواہوں میں یہ لوگ پرانے میرے

دیکھ سکتے ہو کسی وقت اگر تم چاہو
ہر کتب خانے میں رکھے ہیں زمانے میرے

پھول سے ہاتھوں نے پتھر جو چلائے تو لگا
جیسے بوسے لئے جنت کی ہوا نے میرے

فائدہ ہے مری شیریں سخنی میں یہ علیم
دُکھ وہ سن لیتے ہیں غزلوں کے بہانے میرے

بیتے ہوئے لمحوں کو چاہو جو بلا لینا
چھیڑیں گے غزل جب ہم تم ساز اٹھا لینا

آئینہ تمھارا جب کچھ طنز کرے تم پر
چڑھتے ہوئے سورج سے تم آنکھ ملا لینا

ڈر کیا ہے اندھیرے میں للّٰہ ذرا ٹھہرو
تم شمع جلانے میں انگلی نہ جلا لینا

قسمیں یہ خدا کی تم کس واسطے کھاتے ہو
متروک ہے اس سن میں جب نامِ خدا لینا

تحریکِ محبت میں شامل تو ہو تم لیکن
تم اپنے اس آنچل کا پرچم نہ بنا لینا

واقف ہیں مسائل سے ہم دینِ محبت کے
آنکھیں تو محبت میں جائز ہے چرا لینا

کیوں چپ ہو عَلیم آخر بننے دو زمانے کو
ظاہر ہے زمانے سے ہم لوگوں کو کیا لینا

تمھیں نے خود یہ الجھے مسئلے سلجھا دیئے ہوتے
دلوں کے تم نے دروازے اگر کھلوا دیئے ہوتے

ستم ڈھائے ہیں جتنے اس سے بڑھ کر ڈھائے ہوتے
مگر کچھ اشتہارِ تعزیت بٹوا دیئے ہوتے

خدا نا خواستہ ہم سے اگر کچھ بھول ہو جاتی
تو پھر ارض و سماں احباب نے ٹکرا دیئے ہوتے

تمہارے عہدِ ماضی پر نہ کوئی تبصرہ ہوتا
پرانے آئینے تم نے اگر تڑوا دیئے ہوتے

حقیقت آئینہ ہو جاتی سب کی جتنے نایاب تھے
جو دو چھینٹے مرے اللہ نے برسا دیئے ہوتے

علیم ان کی جبیں پر عمر بھر رہتی شکن لیکن
کم از کم مجھ کو اسبابِ شکن سمجھا دیئے ہوتے

وہ جو پیش کر رہے ہیں مجھے جام انجمن میں
وہ ضرور مجھ سے لیں گے کوئی کام انجمن میں

یہ پتہ نہیں کہ کیسا ہے نظام انجمن میں
نہ خواص مطمئن ہیں نہ عوام انجمن میں

وہ جو میکشوں کا کل تک تھا امام انجمن میں
اسے اب ذرا سا پانی ہے حرام انجمن میں

ہیں بہت سے انجمن میں میرا ذکر کرنے والے
مرے بعد بھی رہے گا مرا نام انجمن میں

مرے نام کے لئے ہیں کئی اُس کے استعارے
کوئی مستقل نہیں ہے مرا نام انجمن میں

تری انجمن کی خوشیاں مجھے وہ نہ دے سکیں گی
مرے غم نے کھو دیا ہے جو مقام انجمن میں

وہ سلام بے نیازی جو علیمؔ مجھ کو پہونچے
مرا درد بن گئے ہیں وہ سلام انجمن میں

امتحاں میرا بھی سہی، کیا ہے؟
ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے!

خوب آنچل سنبھالئے لیکن
اب حقیقت ڈھکی چھپی کیا ہے؟

دیکھ کر تجھ کو سوچتا ہوں میں
وجہ تخلیق چاند کی کیا ہے؟

شمع ، مہتاب ، پھول ، پیمانہ
اصل تشبیہہ آپ کی کیا ہے

وہ بظاہر کھنچے کھنچے ہیں مگر
کیا پتہ امر واقعی کیا ہے ؟

لوگ اہلِ جنوں پہ ہنستے ہیں
عقل لوگوں کی پھر گئی کیا ہے ؟

ہم جلے ہیں تمام عمر علیم
ہم سے پوچھو کہ روشنی کیا ہے

(۲۴)

مُضطرب دل ہے ستمگر کو خبر ہو کہ نہ ہو
کوئی پیاسا ہے سمندر کو خبر ہو کہ نہ ہو

آئینہ کرتا ہے منہ دیکھی ہوئی باتیں کیوں
اس خرابی کی سکندر کو خبر ہو کہ نہ ہو

مجھ کو ساقی کی نگاہوں نے کیا ہے سرشار
میں تو سیراب ہوں ساغر کو خبر ہو کہ نہ ہو

مجھ کو معلوم ہے پتھر سے مجھے چوٹ لگی
لیکن اس چوٹ کی پتھر کو خبر ہو کہ نہ ہو

ذکر تم غم کے اندھیروں کا نہ کرنا اے علیم
چاہے اُس ماہ منوّر کو خبر ہو کہ نہ ہو

Internet Edition, 2015.

معراجِ کمالِ ناز پہ جب احساسِ جمال آجاتا ہے
دریا سے بگولے اٹھتے ہیں صحرا میں اُبال آجاتا ہے

دو چار نشیمن جلنے سے کچھ حرج نہیں یوں تو لیکن
بُلبُل کی فغانِ پیہم سے گلشن پہ زوال آجاتا ہے

اُن کو یہ خوشی ہے ہنس ہنس کر میں اُن کی جفائیں سہتا ہوں
میں خوش ہوں کہ اُن کو وقتِ ستم میرا بھی خیال آجاتا ہے

دل میرا جنھوں نے توڑا تھا وہ پوچھ رہے ہیں اب مجھ سے
وہ کیسے مٹایا جاتا ہے شیشے میں جو بال آجاتا ہے

ہوں لاکھ علیمؔ اب لطف و کرم بھولیں گے نہ ان کے جور و ستم
مشکل سے صفائی ہوتی ہے جب جی میں ملال آجاتا ہے

دیوار ۴۶

(۲۶)

نگاہِ غم آلودہ اُس نے اُٹھا دی پلٹ کر اچانک اِدھر چلتے چلتے
دلِ مضطرب بے تحاشا جو دھڑکا بچیں آرزوئیں مچلتے مچلتے

اگر اس قدر دردِ دل واقعی ہے اگر بیقراری کا عالم یہی ہے
تو پھر غم کے مارے پہ کیا بیت جائے خدا جانے سورج نکلتے نکلتے

کوئی جان سے گرمیٔ غم میں جائے کوئی لذتِ آتشِ غم اٹھائے
پتنگے نے گھبرا کے جان اپنی دیدی کٹی شمع کی زندگی جلتے جلتے

نہ معلوم کیا فطرتِ زندگی ہے کبھی ہم کو کانٹوں پہ نیند آگئی ہے
کبھی بسترِ گل پہ بے چینیوں سے کٹی رات پہلو بدلتے بدلتے

ہیں بے سروجنوں خیز زلفوں کے سائے یہ پھول ایسے رخسار اللہ رکھے
علیم اب بچنے کو جی چاہتا ہے چلے کوئی کب تک سنبھلتے سنبھلتے

دیوانہ ...

۲۷

ہمارے دردِ نہاں کا درماں نہ ہو سکا ہے نہ ہو سکے گا
علاجِ ناصورِ قلبِ سوزاں نہ ہو سکا ہے نہ ہو سکے گا

مری غم آلودہ زندگی کے لیے خوشی کا سوال ہی کیا؟
فضائے ظلمات میں چراغاں نہ ہو سکا ہے نہ ہو سکے گا

ہزار فصلِ بہار آئے ہزار غنچے کھلیں چمن میں
مگر میں وہ ہوں جو گل بداماں نہ ہو سکا ہے نہ ہو سکے گا

غموں کی ان تند آندھیوں میں ٹھہر سکے گی نہ شمعِ ہستی
حقیر تنکا حریفِ طوفاں نہ ہو سکا ہے نہ ہو سکے گا

علیم یوں تیرے سوزِ ترنم فضاؤں میں گونجتے رہیں گے
مگر دل اپنا کبھی غزل خواں نہ ہو سکا ہے نہ ہو سکے گا

۲۸

پُرشوق نظر قاصرِ دیدار نہیں ہے
جذبات کے آگے کوئی دیوار نہیں ہے

ہونٹوں سے لگا لینا تو اک جرم ہے لیکن
نظروں سے جو پی لے تو گنہگار نہیں ہے

ٹوٹے جو کوئی جام تو دنیا کو خبر ہو
دل میں تو یہ مشکل ہے کہ جھنکار نہیں ہے

اللہ رے ویرانیٔ دنیائے تمنا
دل آج تمہارا بھی طلبگار نہیں ہے

فریاد لبوں پر جو علیم آئے تو کیوں کر
کیا اُن کے تغافل سے مجھے پیار نہیں ہے

۲۹

یہ پہنچا دو خبر اس پردہ دارِ روئے روشن تک
نگاہِ شوق کی گرمی سے جل جاتی ہے چلمن تک

سرِ محشر اُنھیں معصوم ٹھہرایا ہے لوگوں نے
ہمارا ہاتھ رُک جاتا ہے اُٹھ کر ان کے دامن تک

مہِ کامل کے جلووں سے منوّر ہو گئی دنیا
قدم لیکن نہ آئے چاندنی کے میرے آنگن تک

جلا دے شوق سے میرا نشیمن باغباں لیکن
رہے محدود ہر شعلہ فقط میرے نشیمن تک

علیمؔ اب اُن کے در کی باریابی کو ترستا ہوں
رسائی رہ چکی ہے میری جن کے دل کی دھڑکن تک

کوئی تیر پھینک مجھ پر اُسی ترکش ستم سے
مرا دل دھڑک رہا ہے تو نہ دیکھ اب کرم سے

مری زندگی کی راہیں کیوں اُلجھ کے رہ گئیں ہیں
کوئی باز پُرس کرتا ترے گیسوؤں کے خم سے

جو کھلیں نہ دل کی کلیاں تو بہار کا مزہ کیا
میں سوال کر رہا ہوں یہ نسیمِ صبحدم سے

یہ جو شیخ محترم ہیں بڑے زہر کے بجھے ہیں
نہ یہ مطمئن خدا سے نہ یہ مطمئن صنم سے

یہ دل و نظر کی رسمیں یہ وفا کی ساری قسمیں
کبھی ٹوٹ جائیں تم سے کبھی ٹوٹ جائیں ہم سے

ہوئیں شہرتیں غزل کی اے علیم چار جانب
مرے خونِ دل کے قطرے جو ٹپک گئے قلم سے

یہ نہیں کہ تیری طرف سے اب مرے دل میں پیار نہیں رہا
تری آرزو تو ہے آج بھی ترا انتظار نہیں رہا

غمِ زیست میں وہ مزے ملے ترے غم کو میں نے بھلا دیا
مرا احترام تو چھوڑ دے مرا اعتبار نہیں رہا

مجھے غم گساروں پہ ناز تھا مگر اب یہ لطف ہے وقتِ غم
جو چراغ لے کے بھی ڈھونڈیئے کوئی غم گسار نہیں رہا

تجھے میرے پیار پہ شک نہ ہو یہ تو تاب و ضبط کی بات ہے
کوئی بیقرار رہا کیا کوئی بیقرار نہیں رہا

مری وحشتوں کی کلائیاں رہیں احتیاط کے ہاتھ میں
مرا پیرہن ترے عشق میں کبھی تار تار نہیں رہا

مرا جسم وقت کی ملکیت مری رُوح آپ کی سلطنت
مجھے آپ اپنے وجود پر کوئی اختیار نہیں رہا

اے علیمؔ خوگرِ غم ہوں میں، غمِ دوست ہو کہ غمِ جہاں
مجھے زندگی کا کوئی بھی غم کبھی ناگوار نہیں رہا

خلافِ مسلکِ اہلِ یقیں کریں تو بُرا
بہ رسمِ سجدہ جو خونِ جبیں کریں تو بُرا

کہیں تو سلسلۂ زلف ہی میں جو گمی کہیں
بیانِ فسانۂ اندوہگیں کریں تو بُرا

نہیں ہے فرصتِ چشمِ کرم اُٹھیں پھر بھی
سکونِ قلب کا ساماں کہیں کریں تو بُرا

جو احتیاط اُنھیں چاہیے محبت میں
وہ احتیاط ہم اپنے تئیں کریں تو برا

پسِ نقاب کوئی دے رہا ہے دعوتِ دید
نظر جو جانبِ پردہ نشیں کریں تو برا

نگاہِ یار کو مطلوب ہے متاعِ ضمیر
جو ہاں کریں تو برا جو نہیں کریں تو برا

علیم ہے تو اُنھیں اعترافِ حُسن مگر
جو یاد اُن کو بہ لفظ حسیں کریں تو برا

(۳۳)

سوزِ الفت دیدۂ جاناں میں طغیانی کرے
یہ وہ آتش ہے کہ جو پتھر کو بھی پانی کرے

فصلِ گُل جب بھی نویدِ رنگ و بو دے، جانے کیوں
"دل تمنائے نشاطِ چاک دامانی کرے"

ان حسیں چہروں میں ہے شرحِ نکاتِ زندگی
ان کتابوں کی کوئی اوراق گردانی کرے

شمع کو اک شعلۂ روشن پر اتنا ناز ہے
بات پر پروانہ اگر شعلہ سامانی کرے

خونِ دل سے جن کی خاطر ہر غزل لکھی علیم
اُن کو یہ ہم میرا اندازِ غزل خوانی کرے

۳۴

سیکڑوں زہرِ غم اپنی دنیا میں ہیں، تشنگی جب ستائیگی پی لیں گے ہم
تم ہماری طرف سے پریشاں نہ ہو، ہم نے طے کرلیا ہے کہ جی لیں گے ہم

جو غمِ زندگی سے ہیں سہمے ہوئے، قابلِ موت ہیں تو انھیں موت دے
ہم مجاہد ہیں یہ تجھ کو معلوم ہے، لا ادھر زندگی زندگی لیں گے ہم

دل کی ویران بستی بسے گی نہ اب، شمع کوئی یہاں پر جلے گی نہ اب
جا کے جلوہ فروشوں سے کہہ دے کوئی، لوٹ جائیں نہ اب روشنی لیں گے ہم

وقت کم ہے اگر تم نہیں آؤ گے، ہم کہے دے رہے ہیں کہ پچھتاؤ گے
تم پکارو گے رو رو کے ہم کو مگر پھر نہ بولیں گے ہونٹوں کو سی لیں گے ہم

بام پر آئے خود کو نہ رسوا کریں، اُن سے کہہ دو علیم اب وہ پردہ کریں
زندگی کا اندھیرا مٹے گا کہاں، دو گھڑی انکو گر دیکھ بھی لیں گے ہم

عجیب وجد سا آیا ہے دل کی دھڑکن کو
نگاہ چھو کے جو پلٹی ہے ان کی چلمن کو

ہمارا خون مصیبت بنا ہے ان کے لئے
خدا کرے کوئی دیکھے نہ ان کے دامن کو

مزاج اس نے بھی پایا ہے دوستوں جیسا
بہت قریب سے دیکھا ہے میں نے دشمن کو

نشاطِ فصلِ بہاراں سے جھومتی شاخیں
شہید کر کے رہیں گی مرے نشیمن کو

نہ چاندنی کی دعا ہم نے آج تک مانگی
بہت ہے غم کا اندھیرا ہمارے آنگن کو

وہی گھٹائیں وہی مست مست پروائی
جو توبہ کی ہے تو موت آ گئی ساون کو

بصد خلوص سدا اُن کی زلف پیچاں نے
سلام پیش کئے زندگی کی الجھن کو

علیمؔ کچھ نہ کہو دل کو یوں ہی جلنے دو
خود اس نے آگ لگائی ہے اپنے مسکن کو

پیشانی پسینے سے کبھی تر اُس کی اگر ہے
ہم کچھ نہ کہیں گے ہمیں اللہ کا ڈر ہے

رکھتا ہے زمانے کی خبر آج انھیں کو
خود اپنے ہی آنچل کی نہیں جن کو خبر ہے

پردے کے اٹھانے میں ہے جب اتنا تکلف
کیوں پردہ اٹھاؤ مجھے تسکینِ نظر ہے

کچھ شانِ تغافل بھی اُدھر دیکھ رہا ہوں
کچھ عرض تمنا میں تکلف بھی اِدھر ہے

خالی نظر آتا ہے یہ کیوں دامنِ ہستی
لفظوں کی دکانوں پر ابھی دردِ جگر ہے

ضم ہونے نہ دوں گا میں ترے جلووں میں اسکو
بے شرکتِ غیرے یہ نظر میری نظر ہے

کیا حال علیم اپنا بنا رکھا ہے تم نے
آنکھیں کبھی نم ناک ہیں دامن کبھی تر ہے

مرے خیال سے یہ تو بہت بُرا ہو گا
فریضۂ غمِ جاناں اگر قضا ہو گا

میں اُن سے ترکِ محبت کروں تو کیسے کروں
ہزار بار ابھی اُن کا سامنا ہو گا

نقاب اٹھاؤ مگر اس کی کوئی شرط نہ ہو
کہ سب کو پاک نگاہوں سے دیکھنا ہو گا

خود اپنے حال کی تم کو خبر نہیں شاید
تمہاری بزم میں کیا کوئی آئینا ہو گا؟

چمن میں کہہ دو عنادل سے ہوشیار رہیں
فضائیں کہتی ہیں اب کوئی حادثہ ہو گا

اگر ضمیر فروشی بنے گی شرطِ خلوص
تو اُن سے مجھ کو تعلق بھی توڑنا ہو گا

کہاں تک آئیں گے آخر وفا کے سر الزام
علیمؔ اہلِ محبت کو سوچنا ہو گا

مرے چارہ سازوں کی انتہا نہ تو شہر میں نہ تو گاؤں میں
مرے زخمِ دل کی مگر دوا نہ تو شہر میں نہ تو گاؤں میں

وہی جذبِ شوق کی مستیاں وہی دل نواز جوانیاں
غمِ زندگی کا کوئی مزا نہ تو شہر میں نہ تو گاؤں میں

یہ بہار ہے کہ فریب ہے اسے پھونک دیں کبھی تو زیب ہے
کسی پھول کی بھی بچی قبا نہ تو شہر میں نہ تو گاؤں میں

کوئی احتیاط کریگا کیوں کوئی پاکباز بنے گا کیوں
کسی جرم کی کبھی کوئی سزا نہ تو شہر میں نہ تو گاؤں میں

یہ ہجومِ جسم ہجومِ جاں مگر آہ دل کی اداسیاں
کسی آدمی کا کوئی پتا نہ تو شہر میں نہ تو گاؤں میں

ہوئیں خوب درد کی پرسشیں ہوئیں خوب اشکوں کی بارشیں
ملی دامنوں کی مگر ہوا نہ تو شہر میں نہ تو گاؤں میں

تو لہو سے بھی جو غزل لکھے تو علیمؔ آج کے دور میں
تری کاوشوں کا کوئی صلا نہ تو شہر میں نہ تو گاؤں میں

(۳۹)

بخش دیں آنکھیں میں نے گریۂ مسلسل پر
میری جو نمازیں تھیں قرض اُن کے آنچل پر

جاں نواز نظروں پر کوئی شک نہیں مجھ کو
میرا نام لکھا ہے یوں ہی بابِ مقتل پر

اپنی تیرہ بختی سے خود ہمیں کہاں فرصت
تبصرہ نہیں کرتے ہم کسی کے کاجل پر

مست مست آنکھوں کو جام پر فضیلت ہے
سرمئی دوپٹوں کو فوقیت ہے بادل پر

دولتِ جنوں جس کو جب جہاں خدا دیدے
منحصر نہ بستی پر ، منحصر نہ جنگل پر

اعتمادِ مایوسی جب سے ہوگیا حاصل
رکھ دیا ہے انگارہ آرزو کی کونپل پر

اے علیم مجھ کو بھی سیکڑوں ہیں غم لیکن
میری مسکراہٹ ہے تابِ ضبط کے بل پر

چراغ شام سے آخر جلائیں کس کے لئے
کوئی نہ آئے گا آنکھیں بچھائیں کس کے لئے

کھنچا کھنچا نظر آتا ہے ہم سے ہر آنچل
ستارے توڑ کے لائیں تو لائیں کس کے لئے

نہیں ہے کوئی ہمیں زندگی کا شوق مگر
ہم اپنی جان سے جائیں تو جائیں کس کے لئے

ستم اٹھانے کا مقصد بھی کوئی ہوتا ہے
ہم آسمان سے شرطیں لگائیں کس کیلئے

خلاف ہم نہیں اختر شماریوں کے مگر
سوال یہ ہے کہ نیندیں گنوائیں کس کے لئے

وفا اک آگ ہے بچوں کا کوئی کھیل نہیں
ہم اپنا مفت میں دامن جلائیں کس کیلئے

شراب ہم پہ ہمیشہ سے ہے حرام علیم
پتہ نہیں یہ اُمڈتی ہیں گھٹائیں کس کے لئے

تکلفاتِ کرم چشمِ یار رہنے دے
میں مطمئن ہوں مجھے بیقرار رہنے دے

جو پیرہن ہے مرا تار تار رہنے دے
مجھے مطابقِ فصلِ بہار رہنے دے

جو الجھنیں ہیں زمانے کی اُن کا کیا ہو گا
تو اپنی زلف کو اب مت سنوار رہنے دے

کبھی نہ جاؤں میں رسوائی جنوں کے قریب
مجھے جو ہوش میں پروردگار رہنے دے

خود اپنی ذات کا مجھ کو بھرم جو رکھنا ہے
تو پھر وجود مرا برقـــرار رہنے دے

عجب نہیں کہ مجھے آج نیند آجـــائے
علیم سر کے تلے پائے یار رہنے دے

مزے سے ہم شبِ ہجراں میں اشکبار رہے
تمام رات ستاروں سے ہمکنار رہے

ہم اپنی طرزِ محبت کے شاہکار رہے
ہمیں پتہ ہی نہیں ہے کہ بیقرار رہے

مرے لہو کی ارزانیاں خدا رکھے
مرے وطن کی زمیں کیوں نہ لالہ زار رہے

بندھی ہے برقِ نسیمِ سحر کے آنچل میں
ہر ایک پھول گلستاں کا ہوشیار رہے

میں تیرے وعدۂ فردا کو جانتا ہوں مگر
خدا کرے کہ مجھے تیرا انتظار رہے

وہ کون تھے جنھیں کانٹوں پہ نیند آئی تھی
یہاں تو بسترِ گل پر بھی بے قرار رہے

فضائے صحنِ چمن جب نہ راس آئے علیم
کسی پڑی ہے جو منت کشِ بہار رہے

رکھا گیا ہم کو بھی ناواقفِ غم برسوں
پانی کی طرح برسے ہم پر بھی کرم برسوں

ڈھاتے ہیں ہم پر ایسے ہی ستم برسوں
آسودہ نہیں ہوتے ہم خوگرِ غم برسوں

مشکوک سمجھتے ہیں وہ میری وفاؤں کو
میزانِ وفا پر خود اترے ہیں جو کم برسوں

پتھر بھی کلیجے پر رکھنا ہمیں آتا ہے
کہیے نہ ادھر دیکھیں از روئے قسم برسوں

تا عمر لٹاؤ تم اشکوں کے ستارے اب
تم نے تو چلائے ہیں وعدوں کے درم برسوں

پیچیدہ کچھ اتنی ہے اس وقت رہِ انساں
گیسو کی طرح اس کے نکلیں گے نہ خم برسوں

شاہد ہیں علیمؔ اب ہم اللہ کی قدرت کے
ہم بھی تو رہے آخر نزدیکِ صنم برسوں

ہوا ہے غیر ممکن درد سے شاید مفر اپنا
نمک پاشوں کے ہاتھ اب چڑھ گیا زخم جگر اپنا

یقیں کس طرح آئے ان کو میرے درد پنہاں کا
نہ چہرہ مضمحل اپنا نہ دامن ہی ہے تر اپنا

نگاہوں میں ٹھہرتی ہی نہیں کوئی حسیں صورت
مصیبت بن گیا کمبخت معیارِ نظر اپنا

بہاروں نے اسیرِ رنگ و بو ایسا بنایا ہے
کہ خود مجھ کو گراں ہے اعتمادِ بال و پر اپنا

یقیناً ہم سیہ بختوں کا بھی نام آئیگا اسمیں
فسانہ آپ کیوں لکھئے بحرفِ آبِ زر اپنا

علیمؔ اک مصرعۂ رنگیں کی تصویر اُس گھڑی اُبھری
قلم کی نوک سے ٹپکا ہے جب خونِ جگر اپنا

نام اب نہیں ہے جیب و گریباں کے تار کا!
اب تو ہوں میں ثبوت چمن کی بہار کا

قائم اُصول وعدۂ فردا پہ تم رہو
چھینو نہ مجھ سے لطف غمِ انتظار کا

پوچھو نہ حالِ کشمکشِ صحنِ گلستاں
خطرے میں ہے سہاگ عروسِ بہار کا

جس شاخِ گُل پہ میرا نشیمن چمن میں تھا
اُس شاخِ گُل پہ نام ہے پروردگار کا

دھونا پڑے گا جذبۂ نفرت سے مجھ کو ہاتھ
دشمن میں بے پناہ سلیقہ ہے پیار کا

کیا بات ہے جو قصرِ دلِ اہلِ عشق سے
پرچم اُتر گیا ہے ترے اعتبار کا

تم اس طرف علیمؔ غزلخواں ہو بزم میں
کاجل پگھل رہا ہے اُدھر چشمِ یار کا

میخانے میں ساقی کا کرم عام نہیں ہے
جنّت میں بھی ہر شخص کو آرام نہیں ہے

تو پونچھ لے اس چاند سے چہرے کا پسینہ
جا تجھ پہ مرے خون کا الزام نہیں ہے

اب تو تری دنیا سے بہت دور بسا ہوں
اب تو مرے خوابوں میں ترا کام نہیں ہے

کیوں زلف کے سائے سے الجھتا ہے مرا دم
کیا میرے مقدر میں کوئی شام نہیں ہے

تصویر تو ماضی کی کتابوں میں ہے تیری
لیکن کہیں تحریر ترا نام نہیں ہے

پنہاں ہے جو خوشیوں میں کسک اسکو نہ پوچھو
آرام سے وہ ہیں جنھیں آرام نہیں ہے

رسوائی سے تم کیوں ہو علیم اتنا پریشاں
وہ بھی کوئی انساں ہے جو بدنام نہیں ہے

مسرت میں بھی غم کے پہلو ملیں گے
تبسم کے پردے میں آنسو ملیں گے

نقاب اپنے چہرے سے تم مت اُٹھانا
نظاروں کا کوہ تو ہر سو ملیں گے

جو خاروں سے ڈرتے ہیں ان کو بتا دو
گلوں کی قباؤں میں چاقو ملیں گے

ترے پاؤں سجدوں کے قابل نہیں ہیں
ترے پاؤں کو صرف گھونگھرو ملیں گے

سلامت رہے میرا ذوقِ اسیری
جہاں جاؤں گا مجھ کو گیسو ملیں گے

تمہارے خیالوں کے آنگن میں ہر شب
تمہیں ہم بہ اندازِ خوشبو ملیں گے

علیمؔ آپ کو نیند آئے نہ آئے
یہاں صرف پتھر کے زانو ملیں گے

پھول کی طرح رخسار کُملا گئے، اب تو لگتا ہے آنسو ٹپک جائینگے
یہ محبت کی راہیں بڑی سخت ہیں، مجھکو معلوم تھا آپ تھک جائینگے

آج وعدہ اگر بھول جائینگے وہ، اُن کو جب یاد آئیگا آئیں گے وہ
اُن کے تلووں کے سورج سلامت رہیں، میرے آنگن کے ذرّے چمک جائینگے

فصلِ گُل ہے بہاروں کو تولو تو تم، بھید اپنی خوشی کا کھولو تو تم
میرے کہنے کا مطلب ہے بولو تو تم، خود بخود سارے غنچے چٹک جائینگے

اپنی روداد تجھ کو سناؤں میں کیا، دل کی تکلیف تجھکو بتاؤں میں کیا
تیرے ہونٹوں کی صبحیں چلی جائینگی تیرے دامن پہ تارے چھلک جائینگے

ہر طرف ظلمتیں ہر طرف تیرگی، زندگی کا سفر اور بے روشنی
تم اُجالے لئے یوں ہی بیٹھے رہو، ہم اندھیروں میں اکدن بھٹک جائینگے

چھوڑیئے اے علیم اپنا دردِ جگر، ڈالیئے خاک اب اپنی روداد پر
ورنہ اب یہ ہے ڈر چلمنوں کے اُدھر، مفت میں دو کٹورے چھلک جائیں گے

دل کے پرانے زخم نہ تازہ کرے کوئی
مجھ سے مرا مزاج نہ پوچھا کرے کوئی

رُخ سے نقاب اٹھا کے یوں دوران گفتگو
قرآن کو نہ بیچ میں لایا کرے کوئی

ہم جانتے ہیں تشنگیٔ دید کے مزے
ہم خود یہ چاہتے ہیں کہ پردہ کرے کوئی

جی میرا بھر گیا نگہہ التفات سے
بہتر تو اب یہ ہے کہ ستایا کرے کوئی

یوں لگ رہا ہے چشم عنایت کے زور پر
جیسے مرے ضمیر کا سودا کرے کوئی

ان مسکراہٹوں کی بہشتوں کے آس پاس
مت آرزو کے شہر بسایا کرے کوئی

جو بات دل میں ہو وہ کہی جائے علیمؔ
مجھ کو پہیلیاں نہ بجھایا کرے کوئی

۵۰

چمن میں کون سے ہنگامِ رنگ و بو نہ ہوئے
مگر جو چاک گریباں تھے وہ رفو نہ ہوئے

وہی کہ رسمِ محبت تھی منحصر جن پر
وہ مسئلے کبھی موضوعِ گفتگو نہ ہوئے

ہم اپنے قتل کا الزام کس کے سر رکھیں
کسی کے ہاتھ بھی آلودۂ لہو نہ ہوئے

ملے تو کیسے ملے تشنہ کامیوں سے نجات
کبھی جو جامِ مسلا بھی با وضو نہ ہوئے

گریز کیوں نہ کریں لوگ سرفروشی سے
شہیدِ راہِ وفا بھی تو سرخرو نہ ہوئے

جو مُنہ پہ مل کے پھرے غازۂ ترقیٔ فن
وہ خاک میرؔ کے قدموں کی بھی کبھی نہ ہوئے

بچے رہے وہ سدا الجھنوں سے جو کہ علیم
اسیرِ حلقۂ گیسوئے مشکبو نہ ہوئے

جو چھینٹے پڑ گئے رخسار کے غازے تو کیا ہوگا
یہی محفل کسے گی تم پہ آوازے تو کیا ہوگا

نقابِ رُخ اٹھانا بزم میں کیا فرض ہے کوئی
بکھر جائیں گے ایمانوں کے شیرازے تو کیا ہوگا

چلو گم کردۂ منزل سہی اہلِ جنوں لیکن
غلط نکلے خرد والوں کے اندازے تو کیا ہوگا

مصیبت میں ہوں، شہرِ دوستاں ہے ٹھیک ہے لیکن
نہ کھولے دوستوں نے اپنے دروازے تو کیا ہو گا

ضرورت کیا ہے آخر پرسشِ غم کے تکلف کی
پرانے زخم گر پھر ہو گئے تازے تو کیا ہو گا

علیمؔ اب تک محبت کے مزے تم نے اٹھائے ہیں
بھگت لو گے محبت کے جو خمیازے تو کیا ہو گا

پیار کے لفظوں سے بھی بیزار کر دیتے ہیں لوگ
پھول جیسی بات کو تلوار کر دیتے ہیں لوگ

میرے غم میں میرا جینا بار کر دیتے ہیں لوگ
پرسشِ احوال سے بیمار کر دیتے ہیں لوگ

ذکر کیوں کرتے ہیں جب ایثار کر دیتے ہیں لوگ
اپنی ساری عظمتیں بیکار کر دیتے ہیں لوگ

تم حسیں ہو تم کو بھی محتاط رہنا چاہیئے
یوسفوں کو رونقِ بازار کر دیتے ہیں لوگ

پیار کی اک مسکراہٹ ہے علاجِ زخمِ جاں
مسکرانے سے مگر انکار کر دیتے ہیں لوگ

تم محبت میں نقابِ رُخ اُٹھا سکتے نہیں
وقف اپنے گیسو و رخسار کر دیتے ہیں لوگ

نیم کش تیروں کا تھا اگلے زمانے میں چلن
اب تو تیروں کو جگر کے پار کر دیتے ہیں لوگ

خوابِ غفلت سے جگانے کے بہانے اے علیم
سکھ کی نیندیں چھین کر بیدار کر دیتے ہیں لوگ

اب تو اُن کی محفل کے رنگ ہی نرالے ہیں
دھڑکنوں پہ مُہریں ہیں گفتگو پہ تالے ہیں

ذکر زندگی کا کیا موت کے بھی لالے ہیں
قاتلوں کے شانوں پر پیار کے دوشالے ہیں

بے پناہ جلوؤں سے کون خوش نہیں لیکن
روشنی فروشوں کے ہاتھ کتنے کالے ہیں

اپنے گلستاں میں ہے فصلِ گُل جوانی پر
اپنے باغباں نے بھی خوب پر نکالے ہیں

زندگی کی آنکھوں کو سوجھتا ہے سب لیکن
زندگی کے کانوں میں گردشوں کے بالے ہیں

ہو گیا ہے کیا اُن کے پھول جیسے ہونٹوں کو
بات ہے کہ نشتر ہے لفظ ہیں کہ بھالے ہیں

اے علیمؔ الفت کے ٹوٹ جائیں سب رشتے
وہ بھی ضد کے پکّے ہیں ہم بھی بات والے ہیں

اُس زلف پہ پابندیٔ لمحات نہیں ہے
سورج بھی نکل آئے تو کیا رات نہیں ہے

میں وعدہ خلافی پر انھیں کچھ نہ کہوں گا
کیا اُن کے لئے گردشِ حالات نہیں ہے

افسانۂ غم سُن کے ہنسی آگئی اُن کو
دنیا میں کوئی قیمت جذبات نہیں ہے

کیا قتل مرا پہلے پہل تم نے کیا ہے
رنجیدہ ہو کیوں جاؤ کوئی بات نہیں ہے

کافر ہیں جو ہنستے ہیں مرے دردِ جگر پر
کیا دردِ جگر داخلِ حسنات نہیں ہے

فرقت میں کبھی اشکوں سے ہیں خالی مری آنکھیں
برسات کے موسم میں بھی برسات نہیں ہے

ہے شرط علیمؔ ایک عجب بزم میں اُسکی
گنجائشِ اظہارِ خیالات نہیں ہے

موت آئی ہے زمانے کی تو مر جانے دو
کم سے کم اُس کی جوانی تو گذر جانے دو

جاگ اٹھیں گے ہم ابھی ایسی ضرورت کیا ہے
دھوپ دیوار سے کچھ اور اُتر جانے دو

مدتیں ہو گئیں اک بات مرے ذہن میں ہے
سوچتا ہوں تمھیں بتلاؤں مگر جانے دو

گردشِ وقت کا کتنا ہے کشادہ آنگن
اب تو مجھ کو اِسی آنگن میں بکھر جانے دو

خوش نصیبی سے اِدھر آتشِ غم خوب ہے تیز
دوستو! اب مری ہستی کو نکھر جانے دو

کوئی منزل نہیں رہ جائیگی سر ہونے کو
آدمی کو ذرا اللہ سے ڈر جانے دو

توڑ دو بڑھ کے یہ مفروضہ وفاؤں کے حصار
دل کی آواز جدھر جائے اُدھر جانے دو

وقت کے ہاتھ کا پھینکا ہوا اک پتھر ہوں میں
اب تو مجھ کو کسی شیشے میں اتر جانے دو

الجھنیں ختم کیوں ہوں گی زمانے کی علیم
اُن کے اُلجھے ہوئے گیسو تو سنور جانے دو

دنیا کے غم اٹھائیں گے دل پر خوشی سے ہم
توبہ کر سکیں گے مگر دوستی سے ہم

بیزار ہو رہے ہیں وہ سُن کر ہمارا حال
کرتے تھے عرضِ غم میں تکلف اسی سے ہم

ہر دور میں نقیبِ محبت ہمیں رہے
ترکِ تعلقات کریں کیا کسی سے ہم

اتنے جلے چراغ کہ اب یاد بھی نہیں
خود ہم سے روشنی ہے کہ ہیں روشنی سے ہم

عجز و ریائے علیم پہ زمانے کی آشکار
واقف نہیں ہیں صرف خود اپنی کمی سے ہم

وہ چاہتے ہیں جلوۂ عارض کی دھوپ میں
پرچھائیوں کو قتل کریں روشنی سے ہم

وہ بات جس کے واسطے تم فکرمند ہو
تم مطمئن رہو نہ کہیں گے کسی سے ہم

ہر شے سے مطمئن ہیں زمانے میں اے علیم
ہیں غیر مطمئن تو فقط آدمی سے ہم

(۵۷)

یا تو اب پیار کی ہر رسم نبھا دی جائے
یا تو پھر پیار میں اب آگ لگا دی جائے

زندگی ساری مصیبت ہے بہ تیرے دم سے
زندگی کاش تو سولی پہ چڑھا دی جائے

اُن کو ماحول کی ہر چیز سے ڈر لگتا ہے
اب مناسب ہے یہی شمع بجھا دی جائے

تم بھی ہو جرمِ محبت میں برابر کے شریک
یعنی انصاف سے تم کو بھی سزا دی جائے

جو مری جان کے درپے ہیں علیمؔ اب اُن کو
زیست کی عمر درازی کی دعا دی جائے

۵۸

اشک یوں گرنے لگے آتشیں رخساروں پر
جس طرح مینھ برسنے لگے انگاروں پر

ختم ہو جلد یہ ابروئے نگاراں کی شکن
یا خدا کتنا بُرا وقت ہے تلواروں پر

مطلع

مطمئن دل مرا قطعاً نہیں دیواروں سے
نام اپنا نہ لکھا کیجیے دیواروں پر

جل نہ جائیں کہیں اس آتش رخسار سے ہاتھ
پھول رکھتے ہو دہکتے ہوئے انگاروں پر

کب کریں گے وہ تسلیم اہل محبت کا حساب
انگلیاں اٹھنے لگیں ان کے وفاداروں پر

(۵۹)

روزن سے مدد کچھ ملتی ہے کچھ بام سہارا دیتا ہے
اللہ پیاسی نظروں کو ہر شام سہارا دیتا ہے

گیسو کی سیاہی بڑھتی ہے تابانیٔ رُخ کے جلووں سے
محسوس کرو تو کفر کو بھی اسلام سہارا دیتا ہے

یہ تند شرابیں کیسے بھلا بن سکتی ہیں آخر غم کی دوا
جو مست نگاہیں پیش کریں وہ جام سہارا دیتا ہے

مانیں کہ نہ مانیں اہلِ خرد بیکار نہیں ہے کارِ جنوں
تصدیق بہارِ گلشن میں یہ کام سہارا دیتا ہے

دشواریٔ منزل کیا شے ہے دشواریٔ منزل کچھ بھی نہیں
ہمراہ اگر ہو عزمِ جواں ہر گام سہارا دیتا ہے

رہ رہ کے خدا یاد آتا ہے وہ ناز اٹھانے پڑتے ہیں
اللہ شناسی میں عشقِ اصنام سہارا دیتا ہے

فیضانِ تعارف ملتا ہے انساں کی اگر بدنامی ہو
موضوعِ زمانہ بننے میں الزام سہارا دیتا ہے

یہ آس کی شمعیں بجھ جائیں ممکن تھا علیم اب تک لیکن
اک نام لکھا ہے دل پہ مرے وہ نام سہارا دیتا ہے

(٦٠)

شعورِ حسن کی حد آئینوں کے درمیاں تک ہے
وہ کیا جانے نگاہِ ذوق کی دنیا کہاں تک ہے

تمہیں معلوم ہے میں صاحبِ تحقیق جلوہ ہوں
بتا دوں میں تمہاری جلوہ آرائی کہاں تک ہے

نمایاں تم ہو گے تاریخِ ستم جب لوگ لکھیں گے
تمہارے سامنے تو طفلِ مکتب آسماں تک ہے

کبھی جو حاصلِ منجلۂ حُسنِ بہاراں تھے
چمن میں آج کل متروک اُن کی داستاں تک ہے

نہیں پہنیں گے اب تا زندگی زنجیر دیوانے
خمیدہ زلف کی اب سلطنت وہم و گماں تک ہے

علیم اب مشرق و مغرب میں یہ پیغام پہنچا دو
جہاں والوں کی مٹھی میں جہانگیروں کی جاں تک ہے

حشر انگڑائی سے ان کی دیکھئے برپا نہ ہو
آئیے مانگیں دعا بندِ قبا ٹوٹا نہ ہو

وہ گلستاں میں بھلا بجلی کو کیا الزام دے
جس کی قسمت میں نشیمن کا کوئی تنکا نہ ہو

آج کرنا ہے تو کر لے میرے سجدوں کو قبول
کل اگر ذوقِ جبیں کو فرصتِ سجدہ نہ ہو

اسطرح وہ کھینچتے ہیں دیکھ کر مجھ کو نقاب
جیسے ساری زندگی میں نے انھیں دیکھا نہ ہو

اُس نظر کے واسطے ذوقِ نظارہ ہے حرام
جو نظر اپنی جگہ خود صاحبِ جلوہ نہ ہو

آپ کو ہم یاد رکھیں گے مگر اک شرط ہے
آپ کا بخشا ہوا زخمِ جگر اچھا نہ ہو

میری لغزش پر جو ہنستے ہیں بتائیں وہ علیم
ہے کوئی جس کا کبھی کوئی قدم بہکا نہ ہو

چھین لی رونقِ میخانہ اِنھیں لوگوں نے
روک دی گردشِ پیمانہ اِنھیں لوگوں نے

بات صرف اتنی تھی ان سے تھی محبت مجھ کو
بس اسے کر دیا افسانہ اِنھیں لوگوں نے

دل کی دنیا میں ہیں اب صرف امیدوں کے مزار
خلد کو کر دیا ویرانہ اِنھیں لوگوں نے

ہوش کی بات کبھی جس کی زباں سے نکلی
اُس کو ٹھہرا دیا دیوانہ انھیں لوگوں نے

اپنی مٹی کی طرح خوب ہی کی ہے برباد
عظمتِ کعبہ و بتخانہ انھیں لوگوں نے

مذہبِ عشق میں جاں اپنی لٹانا ہے ثواب
ترک کی سنّتِ پروانہ انھیں لوگوں نے

بیچ دی سر فروشوں کی طرح وائے علیم
لے کے خاکِ درِ جانانہ انھیں لوگوں نے

اے بادِ صبا تجھ کو چلنا بھی نہ آئے ہے
تو پھول کھلائے ہے یا آگ لگائے ہے

بیکار اے چارہ گر تکلیف اٹھائے ہے
یہ دردِ محبت ہے یہ درد نہ جائے ہے

اب پیار کی نظروں میں کچھ لطف نہ آئے ہے
پہلے کی طرح مجھ کو تو کیوں نہ ستائے ہے

بس شمع جلانے کی عادت ہے مجھے ورنہ
میں خوب سمجھتا ہوں اب کوئی نہ آئے ہے

آئینہ ذرا لے کر ابرو کی شکن دیکھو
تلوار پہ بتلاؤ کیا حرف نہ آئے ہے

ہونٹوں پہ جو بجلی ہے تو آنکھوں میں ہے ساون
اک آگ لگائے ہے اک آگ بجھائے ہے

کانٹوں پہ علیم آخر آرام سے سوتے تھے
اب بستر گل پر بھی کیوں نیند نہ آئے ہے

اللہ اللہ شدّتِ احساسِ سودائی کہ بس
پھول مارا تھا کسی نے ایسی چوٹ آئی کہ بس

اُن کے دامن کی ہوا سے اُڑ گئیں بے چینیاں
اب کبھی کروٹ نہ لیں گے ایسی نیند آئی کہ بس

آپ کو ہرگز تصوّر میں مرے آنا نہ تھا
آپ نے ایسا کیا ہے خونِ تنہائی کہ بس

جنبشِ ابرو کا جو مطلب نکالیں ہم مگر
اس نے اس انداز سے تلوار چمکائی کہ بس

ایک منزل آئی ہے جب وہ نگاہِ شوخ بھی
لاج ونتی بن گئی کچھ ایسی شرمائی کہ بس

عمر بھر کے واسطے کافی ہے اب میرا سُرور
مست آنکھوں سے کچھ ایسی اُس نے چھلکائی کہ بس

ہاتھ چلمن کی طرف میں نے بڑھایا تھا علیمؔ
دفعتاً چلمن کے پیچھے سے ندا آئی کہ بس

مست آنکھوں سے بچ کر گذرتے ہیں ہم
سچ یہ ہے گہری جھیلوں سے ڈرتے ہیں ہم

حال پوچھے ہمارا کہاں تک کوئی
روز جیتے ہیں ہم روز مرتے ہیں ہم

غم سے ہے ساری آرائشِ زندگی
زخم کھا کھا کے بنتے سنورتے ہیں ہم

بے نیازی سے ہم دیکھتے ہیں انھیں
جرم کتنے سلیقے سے کرتے ہیں ، ہم

اُن کی نظروں سے گرنا خطرناک تھا
روز زینہ بزینہ اُترتے ہیں ، ہم

آتشِ غم میں اللہ برکت کرے
جتنا تپتے ہیں اتنا نکھرتے ہیں ہم

اے علیمؔ اس کو دنیا سمجھ لے غزل
غم کی تصویر میں رنگ بھرتے ہیں ہم

میں اُن کو کبھی حد سے گزرنے نہیں دوں گا
اس ترکِ تعلق کو میں چلنے نہیں دوں گا

تم لاکھ اُچھالا کرو الفاظ کے شعلے
فردوسِ محبت کو میں جلنے نہیں دوں گا

کرنا ہی پڑے چاہے صبا سے مجھے سازش
میں آپ کے گیسو کو سنورنے نہیں دوں گا

مایوس نگاہوں سے تم آئینہ نہ دیکھو
میں اپنی نگاہوں کو بدلنے نہیں دوں گا

باریک سہی لاکھ کسی شوخ کا آنچل
نظروں کو میں شیشے میں اترنے نہیں دوں گا

جب اُس کی بچھڑتے ہوئے بھر آئیں گی آنکھیں
کس طرح میں ساون کو برسنے نہیں دوں گا

وہ چاہے علیمؔ اب کبھی آئیں کہ نہ آئیں
تا عمر میں پلکوں کو جھپکنے نہیں دوں گا

نازِ چمن ہیں چاک گریباں رہے ہیں ہم
دنیا میں اشتہارِ بہاراں رہے ہیں ہم

ہر منزلِ حیات میں شاداں رہے ہیں ہم
زخموں پہ زخم کھا کے گلستاں رہے ہیں ہم

ہم کو ذرا بھی گردشِ دوراں کا ڈر نہیں
خود سرپرستِ گردشِ دوراں رہے ہیں ہم

الزام ہم نہ دیں گے کسی کی جفاؤں کو
اکثر بلا سبب بھی پریشاں رہے ہیں ہم

واقف ہیں ہم بھی کفر کی نبضوں سے خوب خوب
کیا کوئی ساری عمر مسلماں رہے ہیں ہم

تا عمر جن کے واسطے تڑپے ہیں اے علیمؔ
پرچھائیں سے بھی اُن کی گریزاں رہے ہیں ہم

۶۸

پتہ کیسے چلے غمگیں ہیں کتنے شاد ماں کتنے
سجائے لب پہ پھرتے ہیں تبسم کی دوکاں کتنے

سمجھتے ہوں گے چشمِ مست کی گہرائیاں کتنے
ڈبو بیٹھیں گے لاعلمی میں اپنی کشتیاں کتنے

تغافل کی شکایت آپ سے جن کو ہے اُن میں سے
سمجھتے ہی نہیں ہیں آپ کی مجبوریاں کتنے

تباہی کے سبھی الزام کیوں رکھتے ہو دشمن پر
رہے ہیں حادثے منت گزار دوستاں کتنے

لگی ہے آگ اتنی بار اب تک صحنِ گلشن میں
اٹھے اب ابر رحمت بھی تو سمجھیں گے دھواں کتنے

تصور کے نہاں خانوں میں چھپ کر ساری دنیا سے
پکڑنا چاہتے ہیں آپ کی پرچھائیاں کتنے

جنوں کے ہاتھ میں پتھر ہے اس کو کوئی مت چھیڑے
نہیں تو چور ہو جائیں گے شیشوں کے مکاں کتنے

علیمؔ اب زاہدوں جیسی یہ صورت کیوں بنائی ہے
رہے ہیں زندگی بھر آپ مقبولِ بتاں کتنے

Internet Edition, 2015.

(۶۹)

آئینے اس طرف لاؤ رخسار کے
ہم ہیں پیاسے بہت اپنے دیدار کے

ہوں گے قائل وہی لوگ تلوار کے
زخم جن کو لگے ہوں نہ گفتار کے

میری مانو تو یوسف نہ بن کر پھرو
تم نہیں جانتے نرخ بازار کے

فتنۂ حشر سے ہم ہیں واقف مگر
معتقد ہم تو ہیں اُس کی رفتار کے

دم الجھتا رہے گا جو بیمار کا
بل نہ نکلیں گے گیسوئے خمدار کے

اُن کے انکار سے ہم ہراساں نہیں
کتنے مفہوم ہوتے ہیں انکار کے

اُن کی خاطر جگر کے لہو سے علیمؔ
گیت لکھتا ہوں پائل کی جھنکار کے

۷۰

کیا عذر بھلا زُلف کو شانے کے لئے ہے
یہ سب مجھے دیوانہ بنانے کے لئے ہے

یہ طے ہے کہ وہ مجھ سے خفا ہو نہیں سکتے
ماتھے کی شکن صرف دکھانے کے لئے ہے

یہ کس نے کہا تم سے کہ تم دل نہ دُکھاؤ
دل اصل میں ہوتا ہی دُکھانے کے لئے ہے

اُس شوخ تبسم کا نہیں کوئی بھی مفہوم
وہ صرف پہیلی ہے بجھانے کے لیے ہے

آنکھیں تری راہوں میں بچھائے ہوں میں لیکن
اب میری دُعا تیرے نہ آنے کے لئے ہے

تم شک نہ کرو یہ مرے ہونٹوں کا تبسم
ناموسِ محبت کو بچانے کے لئے ہے

ہو خیر عسیلمؔ آپ کے کردارِ نظر کی
بے چین وہ اب سامنے آنے کے لئے ہے

۷۱

لکھا ہے خدا جانے کیا شہر کی قسمت میں
شیشوں نے زباں کھولی پتھر کی حمایت میں

موضوعِ محبت پر سوچا نہ کرو ورنہ
ممکن ہے کہ پڑ جاؤ تم بھی کسی آفت میں

سورج کے چمکنے کا ہم پر نہ اثر ہوگا
رکھتے ہیں یقیں ہم تو عارض کی تمازت میں

کیا اپنے نشیمن سے ہم پیار نہیں کرتے
یہ آگ تو لگتی ہے بجلی کی مروّت میں

احباب کی چاہت کو رکھنا ہے اگر قائم
احباب سے کیوں ملئے ایّامِ مصیبت میں

کیوں وقت کی آہٹ پر نظریں نہ علیمؔ اٹھیں
گھنگھرو ہیں محبت کے پا زیب سیاست میں

گزرنا میرا جس رستے سے دنیا کو گراں گزرا
اسی رستے سے آخر ایک دن سارا جہاں گزرا

بکے ہیں کوڑیوں کے مول آنسو غم نصیبوں کے
سجا کر جب وہ ہونٹوں پر تبسم کی دکاں گزرا

خبر ہمجولیوں نے دی اسے ابرِ بہاراں کی
جب اس کے بام سے شاخِ نشیمن کا دھواں گزرا

تری خاکِ قدم جب سے مَلی ہے ہم نے چہرے پر
ہمارے پاؤں کے نیچے سے اکثر آسماں گزرا

وہ لمحہ بن گیا اک حیلۂ شغلِ خدا بینی
جو لمحہ زندگی کا اِن بتوں کے درمیاں گزرا

ہیں دل میں پائے نامحرم کے آخر یہ نشاں کیسے
یقیں کی سلطنت میں ہو کے کیا کوئی گماں گزرا

علیمؔ اِس زندگی میں امتحانوں کے سوا کیا ہے
ابھی اک امتحاں آیا ابھی اک امتحاں گزرا

نیازِ شوق رہے نازِ عشوہ گر بھی رہے
جبیں کی لاج رہے شانِ سنگِ در بھی رہے

مرے نصیب میں آزادیٔ ضمیر کے ساتھ
بُرا نہیں ہے جو رہ زلفِ تا کمر بھی رہے

جگر کا درد چھپانے کا میں نہیں قائل
میں جس کے واسطے تڑپوں اُسے خبر بھی رہے

ہیں زندگی میں ضروری غموں کے اندیشے
چمن وہی ہے جہاں بجلیوں کا ڈر بھی رہے

یہ سنگدل جو ہیں ان کو کوئی برا نہ کہو
یہی تو اگلے زمانے کے شیشہ گر بھی رہے

ہے مجھ کو ترکِ تعلق سے اتفاق مگر
دلوں کے بیچ میں دیوار ہو تو در بھی رہے

علیمؔ تم پہ وہی آج مسکراتے ہیں
ہزار قسم کے الزام جن کے سر بھی رہے